کشمیر کا آتش فشاں نظر انداز کیوں؟

افتخار گیلانی

بھارت میں دسمبر ۲۰۱۸ء کے دوران پانچ صوبائی اسمبلی انتخابات میں جس طرح حکمران بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کو سخت انتخابی نتائج کا سامنا کرنا پڑا ہے، بالخصوص تین بڑی ریاستوں میں کانگریس کی پیش قدمی دیکھنے میں آئی ہے۔ اس سے لگتا ہے کہ بگڑتی معیشت، کسانوں کی بدحالی اور دو سال قبل نوٹ بندی اور نئے ٹیکس نظام کی وجہ سے بنیا اور تاجر طبقے میں موجود اس کا روایتی ووٹ بنک ٹوٹ رہا ہے۔ اور بی جے پی، جسے 'بنیا پارٹی' بھی کہتے ہیں، اس کی ریڑھ کی ہڈی 'بنیا کمیونٹی' سخت تذبذب کا شکار ہے۔ ممکن ہے کہ آنے والے انتخابات میں پوزیشن بہتر بنانے کے لیے اگلے چند مہینوں میں کسانوں اور تاجروں کے لیے وزیراعظم نریندرا مودی مراعات کی بارش کر دیں اور اس کے لیے پارلیمنٹ کا بجٹ اجلاس بھی جنوری کے آخری ہفتہ میں ہی بلانے کی تجویز پیش کر دی گئی ہے۔ تاہم، تجزیہ یہی ہے کہ مئی ۲۰۱۹ء میں ہونے والے عام انتخابات تک اب شاید ہی عام ووٹر تک ان مراعات کا فیض پہنچ پائے گا۔ اس لیے پارٹی لیڈروں کا خیال ہے کہ معیشت کے بجاے جذباتی اور قوم پرستانہ ایشوز کی کشتی پر سوار ہوکر عام انتخابات کا پُرشور دریا عبور کیا جائے۔

اس سلسلے میں ذرائع کے مطابق فتح حاصل کرنے کے لیے بھارتی وزیراعظم نریندرا مودی اور ان کے دست راست بی جے پی کے صدر امیت شاہ نے تین ایشوز پر مشتمل ایک نقشۂ کار ترتیب دیا ہے۔ اس میں اوّلین ترجیح اتر پردیش کے شہر ایودھیا میں مسمار شدہ بابری مسجد کی جگہ پر ایک عالی شان رام مندر کی تعمیر کا ہوّا کھڑا کرنا ہے۔ باوثوق ذرائع کے مطابق دیکھا جا رہا ہے کہ ہندو انتہاپسندوں کی سرپرست تنظیم راشٹریہ سیویم سنگھ (آر ایس ایس) اور اس کی ذیلی تنظیم ویشوا ہندو پریشد (وی ایچ پی) رام مندر کو اگلے ایک دو ماہ میں ایک عوامی مہم میں تبدیل کرنے میں کس حد تک

کامیاب ہوتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ جموں وکشمیر میں مزید کشت وخون وغیر مستحکم حالات قائم رکھے جائیں اور اس خون سے تلک لگا کر ملک بھر میں ووٹ حاصل کیے جائیں۔ اگر یہ دو ایشوز عوامی جذبات ابھارنے میں ناکام ہوتے ہیں، تو انتخابات سے قبل آخری حربے کے طور پر پاکستان کے خلاف کسی طرح کی جارحانہ کارروائی کے نتیجے میں ہندو ووٹروں کو بی جے پی کے حق میں موڑنا، تاکہ دفاعی سودوں اور بنکوں میں بدعنوانیوں اور دیگر ایشوز کو لے کر، حزب اختلاف پارٹیاں اور میڈیا، مودی حکومت کو احتساب کے کٹہرے میں کھڑا نہ کرسکیں۔ یاد رہے ۱۶ دسمبر کو نریندرا مودی نے راے بریلی میں سونیا گاندھی کے حلقے میں تقریر کے دوران یہ کہا کہ: ''کانگریس کے جیتنے پر پاکستان میں تالیاں کیوں بجتی ہیں؟'' جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بی جے پی حکومت اپنے ووٹوں کو اکٹھا کرنے کے لیے 'مسلمان کارڈ' کے ساتھ ساتھ 'پاکستان کارڈ' بھی کھیلے گی۔

۱۵ دسمبر کو ضلع پلوامہ میں جس طرح کشمیری نوجوانوں کے خون سے ہولی کھیلی گئی، وہ ظاہر کرتا ہے کہ مودی حکومت نے آخرالذکر روڈ میپ پر کام کرنا شروع کر دیا ہے۔ جس کے تحت کشمیریوں اور پاکستان کو مشتعل کرکے کشیدگی کو ہوا دی جائے اور ملٹری آپریشنز کی راہ ہموار کرائی جائے۔

پلوامہ میں جس طرح نہتے شہریوں کو نشانہ بنایا گیا اور ان کے سینوں اور سروں میں گولیاں داغی گئیں، کسی بھی مہذب اور جمہوری معاشرے کا خاصہ نہیں ہوسکتا۔ جان سے گزرنے والوں میں آٹھویں جماعت کا طالب علم، شیرخوار بچے کے لیے دودھ خریدنے کی تگ ودو میں راستے میں کھڑا باپ، ایک دکان دار، پریکٹس سے واپس آرہا ایک کھلاڑی اور کئی راہگیر شامل تھے۔ مقامی لوگوں کے مطابق پلوامہ کے ایک گاؤں سرنو میں صبح ساڑھے آٹھ بجے کے قریب فوج اور عسکریت پسندوں کے درمیان تصادم ختم ہوگیا تھا۔ لوگ سڑکوں پر تھے، مگر مظاہرے ہو رہے تھے، تاہم پتھر باری نہیں ہورہی تھی۔ بتایا جاتا ہے کہ جب فورسز کی ٹکڑی آپریشن ختم کرکے واپس جارہی تھی کہ کھار پورہ محلہ میں تنگ راستے کی وجہ سے ان کی بھاری بھرکم فوجی گاڑی کو موڑنے میں مشکل پیش آرہی تھی۔ عوام کو سڑکوں سے ہٹانے اور راستہ بنانے کے لیے فورسز اہلکاروں نے بندوقوں کے دہانے کھول دیے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پیدل چلنے والے افراد زمین پر گرتے گئے۔ اسی طرح کی صورتِ حال پلوامہ اسٹیڈیم کے پیچھے برپورہ میں بھی پیش آئی اور وہاں بھی ایک بھارتی فوجی گاڑی پھنس گئی تھی۔

یہاں بھی فورسز نے بندوقوں کے دہانے کھول کر اندھا دھند فائرنگ کی۔ ہلاک شدگان میں انڈونیشیا سے ایم بی اے ڈگری یافتہ عابد حسین لون بھی شامل ہے، جو حال ہی میں اپنی انڈونیشین اہلیہ اور شیرخوار بچے کے ساتھ کشمیر منتقل ہوا تھا۔ اسی طرح آٹھویں جماعت کے طالب علم عاقب بشیر کو گولیوں سے بھوننے کا الم ناک واقعہ ہے۔

شمالی آئرلینڈ، عراق، افغانستان، کوریا اور فلسطین کا دورہ کرنے اور ان تنازعات کا مشاہدہ کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ دنیا کے دیگر جنگ زدہ خطوں کے برعکس عالمی میڈیا نے بڑی حد تک اور شاید مکمل طور پر کشمیر کو نظرانداز کر رکھا ہے۔ حال ہی میں استنبول میں فلسطین پر منعقدہ بین الاقوامی میڈیا کانفرنس کے متعدد اجلاسوں میں جب شورش زدہ خطوں میں رپورٹنگ کے حوالے سے میں اپنے تجربات بیان کر رہا تھا، تو میری بات پر کسی کو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

کئی عشروں سے فلسطین و مغربی ایشیا میں جنگی رپورٹنگ کرنے والے معروف صحافی جوناتھن اسٹیل حیران تھے، کہ وہ کیسے ان واقعات سے بے خبر اور ناواقف ہیں۔ وہ پوچھ رہے تھے کہ: ''نئی دہلی میں مقیم بین الاقوامی میڈیا ان واقعات کا نوٹس کیوں نہیں لیتا ہے؟'' جب میں نے ان سے کہا کہ: ''بین الاقوامی میڈیا کو کشمیر جانے کے لیے سرکاری اجازت کی ضرورت ہوتی ہے''۔ اس پر متعدد صحافیوں نے بھی کہا، کہ: ''اس طرح کی کسی پابندی کا سامنا ان کو فلسطین کے مقبوضہ علاقوں میں کبھی نہیں کرنا پڑا ہے''۔

کشمیر پر اگر رپورٹنگ ہوئی ہے تو بھی دور دراز علاقوں تک رسائی نہ ہوسکی ہے۔ حتیٰ کہ سرینگر کا مقامی میڈیا بھی بیش تر علاقوں میں جانے سے قاصر ہے۔ چند برس قبل بھارت کے ایک معروف کالم نویس اور قانون دان اے جی نورانی کے ہمراہ میں نے شمالی کشمیر میں لنگیٹ تحصیل کے ایک خوب صورت مقام ریشی واری کا دورہ کیا تھا۔ سرسبز جنگلوں اور پہاڑی نالوں سے پُر اس وادی میں داخل ہوتے ہی تقریباً ۳۰ کلومیٹر تک سڑک سے ملحق سبھی گھروں کی دوسری منزل پر ہمیں بھارتی فوجی جوان نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ: ''گھروں کے مکین تو پہلی منزل پر رہتے ہیں اور دوسری منزل فوج کے لیے مخصوص ہے۔ یہاں دیہاتی کشمیریوں نے پہلی بار میڈیا سے وابستہ افراد کو دیکھا تھا۔ اسی طرح اگر سرینگر کے شیرِ کشمیر انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز کے آرکائیوز کو کھنگالا

جائے ،تو وہاں ایسے ہوش ربا زخمیوں کی تفصیلات ملیں گی، جو بقول کئی ڈاکٹروں کے: ''میڈیکل ہسٹری میں آخری بار صرف جنگ عظیم دوم کے دوران جرمن انٹیلی جنس کے ادارے گسٹاپو کے انٹروگیشن سنٹروں میں رپورٹ ہوئے ہیں''۔ کشمیر میں پیلٹ [چھرے] لگنے سے زخمی ہونے والے افراد کی آنکھیں بچانے میں مصروف، باہر سے آئے ڈاکٹر تک ذہنی تناؤ کا شکار نظر آتے ہیں، کیوں کہ ان کے بقول: ''ہم نے اپنی پوری میڈیکل زندگی میں ایسی جنگ زدہ صورتِ حال کبھی نہیں دیکھی تھی''۔

قوم پرست بھارتی وزیراعظم اور ان کی حکومت کے دیگر لیڈروں کے رویے سے ظاہر ہے کہ وہ کشمیری عوام اور پاکستان کو پیغام پہنچانا چاہ رہے ہیں کہ ان کی منزل ناقابلِ حصول ہے اور کسی عالمی اور بیرونی دباؤ کی عدم موجودگی میں ریاست کا وسیع دائرہ بالآخر تحریک کشمیر کو تحلیل کردے گا۔ ان کو یقین ہے کہ ۲۰۱۹ء کے انتخابات میں یہ طریقۂ کار ان کو فائدہ پہنچائے گا۔ بھارتی فوجی سربراہ جنرل بپین راوت نے حالیہ بیان میں کہا کہ: ''فوج، کشمیر میں ڈرون حملے کرسکتی ہے، لوگ اجتماعی نقصان کے لیے تیار رہیں اور ہم پتھر کا جواب گولی سے دیں گے''۔ وہ اس حقیقت کو نظرانداز کر رہے ہیں کہ کشمیر میں بھارتی فوج کا مقابلہ کسی منظم عسکری گروہ سے نہیں بلکہ ناراض نوجوانوں اور عوام سے ہے۔

مجھے یاد ہے کہ ۲۰۱۰ء میں کشمیر میں ایسی ہی صورت حال تھی کہ اس دوران بھارت کے سینیر صحافیوں کے ہمراہ مجھے اسرائیل اور فلسطین کے دورے کا موقع ملا۔ تل ابیب میں اسرائیلی وزیراعظم کے مشیر ڈیوڈ رائزنر بریفنگ دے رہے تھے۔ وہ اسرائیلی فوج میں اہم عہدے دار رہ چکے تھے، لبنان کی جنگ میں ایک بریگیڈ کی کمان بھی کی تھی، اس کے علاوہ انتفاضہ کے دوران بھی فوج اور پولیس میں اہم عہدوں پر براجمان رہے تھے۔ اس اسرائیلی افسر نے بھارتی صحافیوں کو ششدر اور رنجیدہ کردیا، جب اس نے کشمیر میں تعینات بھارتی فوج کے افسروں کے 'کارنامے' سنانے شروع کیے۔ اس نے کہا: ''بھارتی افسر اس بات پر حیران ہوجاتے ہیں کہ شورش زدہ علاقوں میں مسلح اور غیرمسلح کی تفریق کیوں کی جائے؟'' انھوں نے کہا کہ: ''حال ہی میں اسرائیل کے دورے پر آئے ہوئے ایک بھارتی جنرل نے مجھے بتایا کہ کشمیر میں ہم پوری آبادی کو گھیر کر گھروں میں گھس کر تلاشیاں لیتے ہیں کیوں کہ ہمارے نزدیک کشمیر کا ہر دروازہ دہشت گرد کی پناہ گاہ ہے''۔ اس واقعے کو

بیان کرنے کا مقصد کسی بھی طور پر اسرائیلی جرائم کا دفاع کرنا نہیں بلکہ صرف یہ باور کرانا ہے کہ کشمیر کس حد تک عالمی ذرائع ابلاغ میں اور سفارتی سطح پر انڈر رپورٹنگ [صحافتی نظرانداز ی] کا شکار چلا آرہا ہے اور وہاں ہونے والے مظالم کی تشہیر کس قدر کم ہوئی ہے۔ ڈیوڈ رائزنر نے جنرل کا نام تو نہیں بتایا، مگر یہ ضرور کہا کہ: ''ہم نے بھارتی فوجی وفد کو مشورہ دیا کہ عسکری اور غیر عسکری میں تفریق نہ کر کے وہ کشمیر میں صورت حال کو پیچیدہ بنا رہے ہیں''۔

کشمیر میں پلوامہ جیسے بہت سے خونیں المیے منظر عام پر لانے کے لیے تفتیشی صحافیوں، تحقیق کاروں اور مصنّفین کے منتظر ہیں۔ ان رُودادوں کی محض ایک جھلک بھارتی فلم 'حیدر' میں اور ایڈرین لیوی اور کیتھی اسکاٹ کی کتاب دی میڈوز میں ملے گی۔ کشمیر پر چار صدیوں سے زائد طاقت اور خوف کے ذریعے حکمرانی کی جارہی ہے۔ خوف کی نفسیات بڑی حد تک ختم ہوچکی ہے، یہاں کہیں امن وسکون نہیں، مگر اس کے باوجود اہل کشمیر آلام ومشکلات کی شدت برداشت کر کے بھی حالات کے سامنے سپر انداز ہونے کو تیار نہیں۔ اسی حقیقت کا اظہار بارھویں صدی کے مشہور مؤرخ کلہن پنڈت نے کیا تھا کہ: ''اہل کشمیر کو محض زورِ بازو سے زیر نہیں کیا جاسکتا''۔

اگلے مالی سال کے دوران تعمیر وترقی وسرکاری تنخواہوں کے نام پر بھارتی حکومت، جموں وکشمیر میں ۸۸ ہزار ۹سو۱۱ کروڑ روپے صرف کررہی ہے۔ بھارتی حکومت کے سالانہ ۵ء۳ لاکھ کروڑ روپے کے دفاعی بجٹ کا نصف، یعنی تقریباً ۱ء۷ لاکھ کروڑ روپے بھی کشمیر ہی میں خرچ ہوتا ہے۔ اس حساب کے مطابق بھارتی حکومت کشمیر پر اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے روزانہ ۷۳۷ کروڑ، یعنی سات ارب روپے خرچ کرتی ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ بھارتی ٹیکس دہندگان کے خون پسینے کی یہ کمائی کسی مثبت اور تعمیری کام میں خرچ ہو، جس سے جنوبی ایشیا میں غربت کا خاتمہ ممکن ہو۔ درحقیقت کشمیر میں ترقی کے نام پر فنڈ فراہم کرنا ایسا ہی ہے جیسے کسی جیل کا بجٹ بنانا۔ جیلر بھی قیدیوں کے کھانے پینے کا خیال تو رکھتا ہی ہے۔ اگرچہ وہ کتنا ہی نرم دل کیوں نہ ہو، اس کا اور قیدیوں کے درمیان تناؤ کا رشتہ ہی رہتا ہے۔ اگر اب بھی حکومتیں اس نکتے کو سمجھنے سے قاصر رہیں گی تو یہ خطہ بدترین عدم استحکام کا شکار رہے گا۔ مسئلہ کشمیر کو حل کرنے کے لیے سنجیدہ راستہ اختیار کرنا پڑے گا۔